اب عمل کیجئے

کیوں فرقہ وارانہ اور ہدف بنائے گئے تشدد کے بل کے قانون میں تدوین کرنا ضروری ہے

از تیستا سیتلواد

۱۹۹۸ میں کمیونلزم کومبیٹ کے شروع کرنے کے پانچ برسوں بعد ہم نے فرقہ وارانہ تشدد پر مبنی عدالتی احکامات پر پہلی تحقیقی ترتیبوں میں سے ایک کی جانب ممکنہ طور پر اشارہ کیا تھا، آزاد ہندوستان میں فرقہ وارانہ تشدد کے قوت آزمائی کے سب سے پہلے مقابلے (جبلپور، ۱۹۶۱) سے لے کر مکمل طور پر منظم قتل عام تک، جو بعد کی چند دہائیوں میں وقوع پذیر ہوئے، دو صفتوں کو تشدد کے جنونوں میں تقسیم کر دیا گیا جس سے بار بار زندگیوں اور املاک کو نقصان پہونچا۔ (ہواز ٹو بلیم؟ کمیونلزم کومبیٹ، مارچ ۱۹۹۸)

یہ دونوں صفات آج بھی بہتر طور پر موجود ہیں۔

ان میں سے ایک مہینوں پہلے سے ہی مذہبی اور دیگر اقلیتوں کے خلاف نفرت انگیز تقریر اور تحریر کے ذریعہ دائیں بازو کے اقتدار اعلیٰ رکھنے والے گروپوں کے ذریعہ خاموش لیکن سخت گیر حرکت پذیری ہے۔ اگر چیکہ انہوں نے ہمیشہ تعزیرات ہند (آئی پی سی) کی خلاف ورزی کی ہے لیکن نہ تو انہیں روکا گیا اور نہ ہی سزا دی گئی، یہ ماحول بناتے ہوئے کہ یہ تشدد کے پھوٹنے کی ایک زرخیز بنیاد ہے۔ ہندوستانی عدلیہ کے مختلف اراکین نے اس طرح کے تشدد کی دوسری بڑی وجہ انتظامیہ کے بڑے طبقات اور پولیس فورس کے قانون کے ضابطہ کو نافذ کرنے میں ناکامی پائی ہے جس کا نتیجہ آزادانہ تساہلی اور سازش کا اشارہ کرتے ہوئے مکمل طور پر بیٹھ جانا ہے۔

یہ دونوں خصوصیات ہر وقت موجود رہیں۔ چاہے جبلپور (۱۹۶۱)، رانچی (۱۹۶۷، جسٹس رگھوویر دیال کمیشن آف انکوائری) احمد آباد (۱۹۶۹ جسٹس جگ موہن ریڈی کمیشن آف انکوائری) بھیونڈی، جلگاؤں اور مہاڈ (۱۹۷۰، جسٹس ڈی پی مادن کمیشن آف انکوائری) تیلی چیری (۱۹۷۱ جسٹس جوزف وتھیاتھل کمیشن آف انکوائری) ہاشم پورہ (۱۹۸۷) یا بھاگلپور (۱۹۸۹) میں۔ یہ یقینی بنانے کے لئے کہ اقلیتوں کو نہ صرف سفاکانہ

طور پر نشانہ بنایا گیا بلکہ انہیں انصاف اور معاوضہ تک آزاد رسائی سے بھی انکار کیا گیا۔

۱۹۸۴ میں دہلی، ۹۳۔ ۱۹۹۲ میں بمبئی اور ۲۰۰۲ میں گجرات کے منظم تشدد نے ہنوز نامعلوم اونچائیوں تک ریاستی اور غیر ریاستی اداکاروں کے لئے سزا سے بریت کے لئے سطحیں اختیار کر لی ہیں۔ اس طرح ہندوستان کی آزادی سے فرقہ وارانہ تشدد کی تاریخ نویسی انصاف کی فراہمی اور معاوضہ پر ایک بدتر رپورٹ کارڈ کا انکشاف کرتی ہے۔ آج بدقسمتی سے ہمارے سامنے زندہ بچ جانے والے متاثرین، مسلم، سکھ اور عیسائی کی بیشتر مثالیں ہیں جو تفتیش کے پہلے مرحلے کی دہلیز کا اور جرائم ہونے کے دہائیوں بعد مقدمہ شروع ہونے کا آج بھی انتظار کر رہے ہیں۔

نیا تیار کیا گیا فرقہ وارانہ اور ہدف بنائے گئے تشدد کے انسداد (انصاف اور معاوضوں تک رسائی) کا بل ۲۰۱۱ (عام طور پر فرقہ وارانہ اور ہدف بنائے گئے تشدد کے بل سے حوالہ شدہ) جو کہ پارلیامنٹ میں پیش ہونے سے پہلے کابینہ کی منظوری کا منتظر ہے، امتیازانہ انصاف کی فراہمی کی چھ دہائیوں سے زائد عدم توازن اور علاحدگی کو دور کرنے کی ایک کوشش ہے۔ اکثریت کے خلاف امتیازی طور سے دور، یہ کسی بھی متاثر کو معنون کرتا ہے۔ چاہے اس کا تعلق اکثریت سے ہو یا اقلیت سے ۔معاوضہ اور درستگی کی مضبوط اسکیم کے لئے۔

یہ بل ہماری آبادی کے مختلف طبقات کے ذریعہ سامنا کئے جانے والی انصاف کی فراہمی میں امتیازات کی قانون ساز منظوری ہے۔ جب شہری جو تعداد کے اعتبار سے کمزور ہیں اور سماجی طور پر غیر مستفید ہیں، ان پر ان کی شناخت، حکومتی اداروں۔ قانون نافذ کرنے اور تحفظ اور انصاف کی فراہمی۔ مختلف طریقوں سے بیشتر بار بار کی گئی ایسی کاروائیوں سے جو ان کے خلاف امتیاز برتتی ہیں کی بنیاد پر حملہ کیا جاتا ہے۔

فرقہ وارانہ اور ہدف بنائے گئے تشدد کا بل ہندوستان کی کسی ریاست میں مذہبی اور لسانی اقلیتوں، اسی طرح درج فہرست ذاتوں اور قبائل کے لئے منظم اور فرقہ وارانہ تشدد سمیت ہدف بنائے گئے تشدد سے تحفظ کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس سے علیحدہ پینل کوڈ کے تحت فہرست شدہ تمام جرائم کو شامل کرتے ہوئے مجوزہ قانون تمام جنسی جرائم کو شامل کرنے کے لئے جنسی حملہ کی تعریف کی جدید کاری کرتا ہے جو کہ متاثرین کے

وقار کو مجروح کرتا ہے (بشمول عوام میں ننگا کرنا وغیرہ) نہ صرف عصمت دری، بلکہ نفرت کی تحریر اور تقریر کو وسیع کرتا ہے جو کہ آئی پی سی کے تحت پہلے سے ہی قابل تعزیر ہے۔

زیادہ اہم طور پر، یہ فرائض کی لاپروائی کو گہرا کرتا ہے۔ جو پہلے سے ہی آئی پی سی کے تحت جرم ہے۔ اور ہندوستان میں پہلی بار ذمہ داری نبھانے میں تساہلی برتنے کے لئے سرکاری ملازمین اور/ یا دیگر اعلیٰ عہدوں پر فائز کے ذریعہ کئے گئے جرائم اس میں شامل ہیں۔ ''جہاں یہ دکھلایا جاتا ہے کہ تیزی سے پھیلنے والی یا ترتیب وار قسم کی غیر قانونی سرگرمی مسلسل ہوئی ہے۔''، ڈرافٹ بل کہتا ہے، ''یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ سرکاری ملازم جس پر فرقہ وارانہ اور ہدف بنائے گئے تشدد کو روکنے اس کی قیادت، قابو یا نگرانی کے تحت افراد پر قابو پانا اس کے فرائض میں شامل ہے جس میں وہ ناکام ہوگیا ہے اور۔۔۔ وہ قیادت کی ذمہ داری کی لاپروائی برتنے کا مجرم ہوگا۔'' اس جرم کے لئے کم از کم سزا ۱۰ سال کی قید ہوگی، اعلیٰ افسران دہلی ۱۹۸۴ یا بمبئی ۹۳۔ ۱۹۹۲ یا گجرات ۲۰۰۲ ہونے کی اجازت دینے سے پرامید طور پر شامل رکھے جائیں گے۔ مجوزہ قانون تشدد کے مختصر قوت آزمائی کے مقابلوں کے دوران سرکاری ملازمین کے ذریعہ سازش کی کاروائیوں سے باز رکھنے کے طور پر اور جب وہ پیش آتے ہیں تو متاثرین کو شفاف معاوضہ اور درستگی دینے کے لئے بھی کاروائی کرے گا۔

واضح آئینی حکم سے مثبت اور مناسب قانون ساز اقدامات چاہے وہ ریاستی اقتدار کی امتیازی مشق ہو یا انصاف کی امتیازی فراہمی کی قوت کو سلب کر لیتے ہیں۔ ہندوستانی آئین کا آرٹیکل ۱۴ بیان کرتا ہے: ''ہندوستان کی حکومت کے تحت کسی بھی ریاست کو قانون کے سامنے کسی شخص کو مساوات یا قوانین کے مساوی تحفظ کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔'' آرٹیکل ۲۱ واضح طور پر ریاست پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ زندگی اور آزادی کے مساوی تحفظ کو یقینی بنائے (اور بذریعہ ماخوذ کرنا، املاک) اور آرٹیکل (۱) ۱۵ فراہم کرتا ہے کہ ''ریاستیں مذہب، ذات، جنس، پیدائشی مقام یا ان میں سے کسی صرف ایک کی بنیاد پر کسی شہری سے امتیاز نہیں کرسکتیں۔

ہر جمہوریت میں اس تصور کا وعدہ کیا گیا ہے کہ جب اکثریت اپنی دیکھ بھال خود کرسکتی ہے، اقلیتوں کو خصوصی تحفظ کی ضرورت ہے۔ فرقہ وارانہ تشدد سے لڑنے (یا اس کی ناکامی) ہدف بنائے گئے تشدد کے

قوت آزمائی کے مقابلوں کی ہماری تاریخ کے ساتھ ہندوستان کے تجربہ کے بارے میں ایک لمحہ کے لئے غور کیجئے، جب تعداد کے اعتبار سے کمزور اور سماجی اعتبار سے غیر مستفیض گروپوں، لسانی یا مذہبی اقلیتیں یا دلت یا قبائلی پر ان کی شناخت کی بنا پر حملے کئے جاتے ہیں۔ درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل (انسداد مظالم) قانون ۱۹۸۹ کے اطلاق (یا غیر اطلاق) کے نظر ثانی کے اس تجزیہ اور اس قانون کی ضرورت کے پس پشت اقلیتوں پر قابل اطلاق نہ صرف عقیدہ کے ذریعہ بلکہ دیگر شرائط کے ساتھ بھی نظر ڈالئے تو فوری طور پر نتیجہ برآمد ہوجاتا ہے۔

''اقلیت'' تنہا مذہب پر مبنی پختہ طور پر جما ہوا تصور نہیں ہے، یا نہیں ہونا چاہیے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، جیسا کہ کشمیر وادی میں کشمیری پنڈتوں، ممبئی اور مہاراشٹر میں اتر بھارتیوں/ بہاریوں اور کرناٹک میں تملوں پر ہونے والے مسلسل تشدد کے تلخ تجربہ سے ظاہر ہوا ہے۔ آبادیوں کی ہجرت اور پیدائشی اعداد وشمار کے تبدیل ہونے سے جمہوریتوں کو تمام لوگوں کے تحفظ کے لئے ہلکے اقدامات کے فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ انصاف پسندوں کو انصاف کی فراہمی اور درستگی اور معاوضہ پیکیجوں کے ذریعہ اس ہمیشہ کی تبدیل ہوتی ہوئی حقیقت پر ضرور روشنی ڈالنی چاہیے۔

اس کا ایک آسان طریقہ ہے جسے مجوزہ قانون کو جموں وکشمیر ریاست میں قابل اطلاق بنایا جاسکتا ہے۔ جموں وکشمیر اسمبلی اس کے بعد اسے بذریعہ صدر جمہوریہ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہہ کر کہ قانون کو ریاست میں قابل اطلاق بنایا جائے، ایک آسان ریزولیوشن پاس کرکے اس کے بعد اسے بذریعہ صدر جمہوریہ ہند پارلیامنٹ کے حوالے جموں وکشمیر (قوانین وضوابط کی توسیع) کی ترمیم کے لئے کرنے کی ضرورت ہوگی تاکہ جموں اور کشمیر کے نئے قانون میں توسیع ہوسکے۔

اقلیتوں کے تحفظ کے لئے قانون ''بیرونی حملے اور اندرونی انتشار کے مقابلے میں ریاستوں کے تحفظ کے تئیں مرکز کے فرائض'' سے متعلق ہندوستانی آئین کے آرٹیکل ۳۵۵ میں مضمر، مرکز کو پہلے سے ہی موجودہ اختیارات سے اس کے ذرائع سے خاکہ تیار کرتا ہے جو فراہم کرتا ہے کہ: ''یہ مرکز کا ہر ریاست کو بیرونی حملے اور اندرونی انتشار سے تحفظ فراہم کرنے اور یہ یقینی کرنا کہ ہر ریاست کی حکومت اس آئین کے پرووژنوں کے تحت کام کر رہی ہے، فرض ہوگا۔'' اس نے قابل غور مباحثے کو پیدا کیا ہے اور اس پر اس

وقت بھی بحث کی جائے گی جب یہ بل پارلیمنٹری اسٹینڈنگ کمیٹی کے سامنے رکھا جائے گا۔تشدد کے طویل قوت آزمائی کے مقابلوں کے دوران زمینی حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے بدنام کرنے والے جو صرف ہندوستان کے وفاقی اصول کی مزاحمت کے بارے میں بات کرتے ہیں، اس طرح کا نتیجہ عوامی نسیان اکثریتی ہجوم کے جنون کے پھوٹنے سے نمٹنے میں برسوں کے تلخ تجربات کی نفی کرتا ہے۔

دہائیوں سے زائد حامیان شہری آزادی اور ماہرین قانون کا مجموعی تجربہ رہا ہے کہ ایسے وقت پر نظم و ضبط کے نفاذ کے لئے عارضی طور پر اسے فوج کے حوالے کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔زندگیوں اور املاک کے تحفظ کے لئے ریاستی حکومتوں کی ذمہ داریوں سے تصادم کے بغیر اس تجربہ کو شامل کرتے ہوئے، باب IV کے تحت، مجوزہ قانون فرقہ وارانہ یک جہتی، انصاف اور درستگی کے لئے قومی اتھارٹی کی تشکیل سے روبرو ہوتا ہے۔اتھارٹی کا رول نئے قانون کے نفاذ کے لئے ایک جوش دلانے والے کے طور پر خدمت کرنا ہوگا۔اس کے کام میں تشدد اور فرائض میں کوتاہی برتنے کی شکایتوں کی تفتیش کرنا اور تشدد کی طرف لے جانے والے جیسے بننے والے ماحول کی نگرانی کرنا شامل ہوگا۔

قومی اتھارٹی کسی ریاستی حکومت کو کاروائی کرنے کے لئے مجبور نہیں کرسکتی۔قانون نفاذ کے وفاقی قسم کے تئیں اختلاف کے معاملے میں۔لیکن یہ مناسب ہدایات کے لئے عدالتوں سے رجوع ہوسکتی ہے۔نیشنل اتھارٹی کی طرح ریاستی سطح کی اتھارٹیز، اسٹاف اس عمل کے ذریعہ بھی ہوگا کہ موجودہ برسر اقتدار پارٹی غیر ضروری طور پر متاثر نہیں کرسکتی۔متاثرین کی راحت اور بازآبادکاری ان کی ذمہ داریوں کا ایک بڑا حصہ ہوگی۔

سابق ججوں سمیت پریکٹشنروں سے بہت زیادہ مباحثہ کے بعد جنہوں نے یہ محسوس کیا کہ نگرانی، دیکھ بھال اور مناسب طور پر مداخلت کرنے والی ایک باڈی کے بغیر جبکہ مختصر تر لیکن فرقہ وارانہ اور ہدف بنائے گئے تشدد کے قوت آزمائی کے مقابلے ہوتے ہیں تو ریاستی حکومتیں بے پروا ہونا جاری رکھیں گی، جیسا کہ ابھی ہم نے حال ہی میں بہار (فاربس گنج، جون) راجستھان (بھرت پور، ستمبر) اور اتراکھنڈ (رودر پور، اکتوبر) میں دیکھا ہے، ڈرافٹ بل میں اس نئے وجود کی تشکیل کو شامل کیا گیا ہے۔اس اتھارٹی کے اختیارات سفارشی ہیں اور کسی بھی طرح سے وفاقی اصولوں کی خلاف ورزی نہیں کرتے ہیں۔اسی طرح

ریاستی سطح کی اتھارٹیز تشدد اور اس کے مشمولات کو روکنے اور اس طرح انصاف کی فراہمی کے تئیں ضلعی سطح کے ذمہ داروں کی حوصلہ افزائی کے سلسلے میں بھی تشکیل دی گئی ہیں۔حالانکہ قومی اتھارٹی کو سوائے اطلاعات کی فراہمی کے مقاصد کے کسی ریاست کے خلاف پابندی کے احکامات جاری کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔قومی اتھارٹی کو صرف مشورے اور سفارشات جاری کرنے کے اختیارات تفویض کئے گئے ہیں جس سے متعلقہ ریاستی حکومت/سرکاری ملازمین غیر متفق ہوسکتے ہیں۔شرط صرف یہ ہوگی کہ اس طرح کے غیر متفق ہونے کی وجوہات ضرور درج کی جانی چاہئیں۔

وسط ۲۰۱۱ سے جب نیشنل ایڈوائزری کونسل (این اے سی) نے ڈرافٹ بل پر تبصرے طلب کئے۔مجوزہ قانون کے چند بنیادی پہلوؤں کے بارے میں تشویشات کا اظہار کرتے ہوئے متعدد آوازیں اٹھیں۔اہم طور پر، یہ تشویشات، متاثرہ گروپ کی تعریف۔مذہبی اور لسانی اقلیتوں اور درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل۔اور ہدف بنائے گئے اور فرقہ وارانہ تشدد کے ہونے پر نگرانی کے لئے بنائی گئی قومی اتھارٹی کی تشکیل، مشورے جاری کرنے، ریاستی حکومتوں سے جواب طلب کرنے اور معاملات کی سماعت کرنے والی عدالتوں میں مداخلت کرنے سے متعلق تھیں۔گواہ کے تحفظ، مقدمات کے دوران متاثرین کے حقوق اور معاوضہ اور درستگی کی گہری اسکیم پر پرو ویژنوں کا بڑے پیمانے پر خیر مقدم کیا گیا۔

ظاہر کی گئی تشویشات کے بارے میں نظریاتی اسپکٹرم سے علاحدہ دو سوالات ہیں، ہم نے متاثرہ گروپ کی ڈرافٹ بل کی تعریف پر اعتراض کیا ہے۔ان آوازوں میں سے ایک قانون کے بارے میں بالکل خاموش ہے، جو، اگر یہ وجود میں آتا ہے تو لوگوں کو اقلیت اور اکثریت کی بنیاد پر تقسیم کرے گا۔دوسرا اعتراض تیز تر ہے، یہ پوچھتا ہے کہ کیا یہ قانون اس تصور پر مبنی ہے کہ اقلیت نے کبھی بھی تشدد کی کاروائیاں نہیں کی ہیں یا نہیں کریں گی مناسب اور شفاف ہے۔اس میں کوئی تعجب نہیں کہ دوسری تنقید راجیہ سبھا میں اپوزیشن لیڈر ارون جیٹلی کے ایک مضمون کے ذریعہ سامنے آئی ہے جو ایک سینئر وکیل بھی ہیں۔دیگر لوگوں میں جنہوں نے ارون جیٹلی کی تنقید کی ہاں میں ہاں ملائی ہے وہ تنہا تمل ناڈو کی وزیر اعلیٰ جے للیتا ہیں جو قانون کے معاملے میں مردہ بھی ہیں۔جو ہندوستان کی اہم اپوزیشن پارٹی بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) یا اس کے رائے دہندگان کے درمیان تعلق رکھتی ہیں۔اس تنقید کی آواز کو بی جے پی کی نظریاتی

منبع راشٹریہ سوئم سیوک سنگھ (آر ایس ایس) اور اس کی اتحادی، وشوا ہندو پریشد (وی ایچ پی) اور بجرنگ دل نے بھی مستعار لیا ہے۔

بل کے خلاف دیگر احتجاج کار چند علاقائی پارٹیوں کے لیڈروں کی شکل میں سامنے آئے ہیں۔ ایسی ہی ترنمول کانگریس کی مغربی بنگال کی وزیر اعلیٰ ممتا بنرجی ہیں جو مجوزہ قانون کے تحت مرکز رقومی اتھارٹی کے رول اور کس طرح یہ ریاستی حکومتوں کے حقوق پر اثر انداز ہوسکتا ہے، کے بارے میں بہت زیادہ فکر وتشویش میں مبتلا ہیں۔

آیئے سب سے پہلے متاثرہ گروپ کی تعریف سے متعلق تشویش پر روشنی ڈالیں۔

جمہوریتیں جو کہ انتخابی اور نمائندگی سیاست پر مبنی ہیں، مختلف طبقات کی آوازوں کی عکاسی کرتی ہیں لیکن اکثریت کو بھی سہولیات فراہم کرتی ہیں۔ یہ اکثریت ہمیشہ مذہبی نہیں ہوتی، یہ ایک مقررہ سماجی طبقہ یا ذات یا ایک مقررہ نظریہ کی پابند ہوسکتی ہیں۔ اپنی بہتری کے لئے جمہوریتیں اقلیتی آواز، واحد آواز کو جگہ اور تحفظ دیتے وقت ہمیشہ اختیارات کے توازن کو برقرار رکھتی ہیں۔ اس فرحت بخش توازن کو کم کرکے ہجوم کے ضابطہ یا انبوہ گردی کے تئیں ڈگمگا سکتی ہے۔ آئینی انتظام کی اقدار، سب کے لئے مساوات، خصوصی طور پر قانون کے سامنے مساوات، وہ اصول ہیں جو کنارے لگ سکتا ہے جب ہجوم کا ضابطہ عمل میں آتا ہے۔ کیا ہم ہندوستان میں غیر جانبداری کے ساتھ ماضی کو دیکھتے ہوئے قبول کرسکتے ہیں کہ ہم مجموعی طور پر ہجوم کے ضابطے کے شکار ہوئے ہیں؟

جب ہم صحیح طور سے ایک متحرک، زندہ جمہوریت کی بنیادی دوبارہ تصدیق کے طور پر، جو کہ ہندوستان ہے، انتخابات منعقد کراتے ہیں، جو کہ ہر شخص کو رائے دہی کا اختیار دیتا ہے اور اسی انتخابی عمل کے ذریعہ ظالم اکثریتی قوت کے منشور اور صحیح ٹھہرانے کے ذریعہ تہ وبالا کئے گئے ہیں جسے ہم منعقد کرتے ہیں۔

محتاط فکر ہمیں یاد دہانی کراتی ہے کہ جب ہم اکثریت اور اقلیت جیسی کٹیگریز کی طرف جھکتے ہیں تو وہی انتخابی فتوحات جو ہم مناتے ہیں کی بے قاعدگیاں ہمارے نظریات پر دوبارہ غور کرنے کے لئے ہمیں ضرور مجبور کرتی ہیں۔ ہندوستان میں انتخابی سیاست کے ساتھ بڑے پیمانے پر جرائم پیشہ آرام سے بیٹھے

ہوئے ہیں۔ اور انتخابی اعلان سب کے لئے انصاف اور کسی کے خلاف امتیاز نہیں کے اصولوں کی تشہیر کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

آیئے ہم اپنی تاریخ کے ایک لمحہ کو یاد کریں۔ نومبر ۱۹۸۴ میں، تقریباً ۷۲ گھنٹوں تک چلنے والے مختصر اور خونیں جھگڑے میں دہلی کے ۳۰۰۰ سے زائد سکھ باشندوں کا سفاکانہ قتل عام کیا گیا۔ اسی سال جب جنوری میں پارلیامنٹ کا اجلاس ہوا تو اس قتل عام پر کوئی سرکاری تعزیتی تجویز نہیں پیش کی گئی۔ اور سب سے بدترین یہ کہ ایوان زیریں کی دیواروں کے سائے میں جو بیٹھے تھے، ایک ماہ بعد ہی منعقدہ انتخابات میں انہوں نے جیت حاصل کی تھی، وہ کانگریسی لیڈران ایچ کے ایل بھگت، جگدیش ٹائٹلر اور للت ماکن تھے، یہ وہ افراد تھے جنہیں پیوپلس یونین فار سول لبرٹیز اور پیوپلس یونین فار ڈیموکریٹک رائٹس نے اپنی ۱۹۸۴ کی رپورٹ 'ہو آر گلٹی؟' (مجرم کون؟) میں ہجوم کو مشتعل کرنے کے مجرم کے طور پر نامزد کیا تھا۔ اس کی بعد میں بچ جانے والے متاثرین کی شہادتوں اور حلف ناموں کے ذریعہ تصدیق کی گئی۔

تب سے ستائیس سال گزر چکے ہیں۔

۱۹۸۴ کے سکھ قتل عام میں سازش کاروں کے طور پر شناخت کئے گئے چار سیاستدانوں کو کبھی بھی سزا نہیں دی گئی۔ اس کے بجائے ان میں سے تین تشدد کے ایک ماہ کے بعد پارلیامنٹ کے لئے، اسی شہر سے جہاں سے وہ ہجوم کی قیادت کرنے، سفاکانہ قتل عام کے لئے جمہوری منظوری کا اشارہ کرنے کے ملزم تھے، منتخب ہوئے۔ انہیں نہ صرف برسر اقتدار کانگریس پارٹی نے ٹکٹ دیئے بلکہ ہندو ووٹروں نے ان کے اقدامات کی سفاکانہ اکثریتی حمایت کا اظہار کرتے ہوئے انہیں ووٹ دیئے۔

اکثریت کے ذریعہ پرتشدد ہجوم کی اس سفاکانہ جمہوری منظوری کو قانون سازی کے ذریعہ روکا نہیں جانا چاہئے؟ کیا ہندوستانی جمہوریت کو سیاسی اور حمایتی مفادات سے بالاتر نہیں ہونا چاہئے اور ایسا قانون نافذ نہیں کرنا چاہیے جو اس کی اقلیتوں کے تحفظ کی یقین دہانی کرتا ہو؟

اسی طریقہ کار کو مدنظر رکھتے ہوئے بابری مسجد انہدام کے بعد بمبئی میں ہونے والے تشدد پر مبنی اپنی رپورٹ میں جسٹس بی این سری کرشنا کے ذریعہ ۹۳۔ ۱۹۹۲ میں بمبئی میں بے قصور مسلمانوں کے خلاف تشدد کے سازش کاروں کے طور پر جو نامزد کئے گئے۔ بال ٹھاکرے کی شیوسینا اور اس کے لیڈران۔

۱۹۹۵ میں ریاست مہاراشٹر میں برسر اقتدار آگئے ۔ ۱۹۹۶ میں اور دوبارہ ۱۹۹۸ میں ممبئی ۔شمال مغربی پارلیمانی حلقہ سے شیوسینا لیڈر رمدھو کرسر پوتدار ممبر پارلیامنٹ منتخب ہوئے ۔ یہ منتخب کردہ شخص وہی تھا جسے سری کرشنا کمیشن رپورٹ میں ہجوم کی قیادت کرنے کے طور پر نامزد کیا گیا تھا، اسی طرح گوریگاؤں سے شیوسینا لیڈر رگجانن کیرتی کر بھی تھے ۔جج کی رپورٹ میں ۳۱ پولیس اہلکاروں کو بھی نامزد کیا تھا جن پر مقدمہ چلانے اور سزائیں دینے کے بجائے نک چڑھی کانگریس ۔نیشنلسٹ پارٹی حکومت نے انہیں ترقی دے دی جو کہ ریاست میں ۱۹۹۹ سے حکمراں ہے ۔

۲۰۰۲ میں گجرات میں نسل کشی اور تقریباً ایک دہائی نے پر تشدد ہجوم کے لئے ''جمہوری'' منظوری کی نئی اونچائیاں چھولی ہیں ۔متعلقہ سینٹرنس ٹریبیونل ۔گجرات ۲۰۰۲ نے اپنی تفتیش میں وزیر اعلیٰ نریندر مودی کو ریاست کی کفالت کردہ نسل کشی کا ''اہم مصنف اور معمار'' قرار دیا ہے ۔مودی نہ صرف دسمبر ۲۰۰۲ اور دوبارہ ۲۰۰۷ میں برسر اقتدار آئے بلکہ انہوں نے اور ان کی پارٹی نے جس کی وہ نمائندگی کرتے ہیں نہایت بے شرمی سے اپنی ان انتخابی فتوحات کو قتل عام میں اپنے جرم کو مٹانے کے لئے استعمال کیا۔ وزیر اعلیٰ اور وزیر داخلہ کے طور پر وہ متعدد وزیر التوا معاملات میں انصاف کو تہ و بالا کرنے اور مجرمانہ شکایت میں اہم ملزم کے طور پر الزامات کا ممکنہ طور پر سامنا کرنے کے لئے ذمہ دار ہیں ۔

سرکاری ریکارڈوں کو تباہ کرنا اور انہیں گروپوں سے منسلک نظریات رکھنے والے سرکاری وکیلوں کا تقرر کرنا جنہوں نے تشدد کی سازش رچی تھی، جیسے سنگین جرائم کئے گئے ہیں ۔

یہاں آئینی نظام کا جمہوریت کے انہیں پہلوؤں کے ذریعہ تاوان وصولنے کے لئے انعقاد کیا گیا جسے انتخابی سیاست کہا جاتا ہے اور جسے ہم منعقد کرتے ہیں ۔تشدد کے ہر وقت آزمائی کے مقابلے کو نہ روک کر انصاف کے عمل کی تباہی ہر وقت بلندیوں پر پہونچ گئی ہے ۔جب حکومتی نظاموں میں اکثریت پرستی درانداز ہوتی ہے تو قانون ساز کی نگرانی فرقہ وارانہ اور ہدف بنائے گئے تشدد کے بل میں شامل ان جیسوں کی طرح طاقتور ہوتی ہے ۔

اسی لئے یہ ایک ثبوت ہے کہ یہ ہمارے دور کے عظیم ترین چیلنجوں میں سے ایک ہے ۔اگر چیکہ کسی مطلب کے بغیر صرف ایک ہے ۔کہ کس طرح ہم ہندوستان میں مساوی طور پر تمام شہریوں کا تحفظ کرتے

ہیں ۔کیا ہم محفوظ طریقہ سے کہہ سکتے ہیں کہ انصاف کی فراہمی میں کوئی تعصب نہیں ہے؟ کیا ہم اس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ برسوں سے زائد ہدف بنائے گئے اور فرقہ وارانہ تشدد کے قوت آزمائی کے وقت بے وقت مقابلوں کے دوران یہ اقلیتیں ہی ہیں جنہوں نے زندگیوں اور جائداد کا سب سے زیادہ نقصان برداشت کیا ہے اور جنہیں انصاف دینے سے بھی انکار کیا گیا ہے؟ اور اس طرح کے ہدف بنائے گئے جرائم کے سازش کاروں کو بغیر سزا دیئے ہوئے چھوڑ دیا گیا۔

کہیں بھی کیا فرقہ وارانہ اور ہدف بنائے گئے تشدد کے بل میں اس تصور کو قائم کیا گیا ہے کہ تشدد کی سازش کبھی بھی ایک اقلیتی گروپ کے ذریعہ نہیں کی جاسکتی ۔اس میں یہ کہنے سے کوئی انکار نہیں ہے کہ مراڈ (کیرل)، مالیگاؤں (مہاراشٹر) یا بھیونڈی (مہاراشٹر) کے مسلمان فسادی تھے ۔بل سادہ طور پر ایک قانون ساز قبولیت کی عکاسی کرتا ہے کہ جب اس طرح کے واقعات ہوں تو پولیس اور انتظامیہ کو موجودہ قوانین کے حساب سے سلوک اختیار کرنا ہوگا اور ٹھیک ٹھیک فرسٹ انفارمیشن رپورٹس (ایف آئی آرس) درج کرنے میں ناکام نہ ہوں گے، گہری تفتیش کریں گے اور مجرم کو سزا دلائیں گے ۔جو آج کی تاریخ تک ہندوستان میں فرقہ وارانہ اور ہدف بنائے گئے تشدد کا افسوسناک ریکارڈ رہا ہے ۔اگر مجرمانہ انصاف سست اور تمام ہندوستانیوں کے لئے دھیرے دھیرے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے جیسا ہے، لیکن جب ان کے لئے آتا ہے جو اقلیت میں ہیں تو یہ بدترین ہوجاتا ہے ۔

جبکہ بل اپنے تعریفی پرووژنوں کے ذریعہ فراہم کرتا ہے کہ علاج اور درستگی سے متعلق طبقات سے علاحدہ، تمام پہلو جو پولیس اہلکاروں اور حکمراں کو اعلیٰ ترین کارکردگی میں شامل کرتا ہے صرف اسی وقت قابل اطلاق ہوتے ہیں اگر متاثرہ تعریف شدہ گروپ کا ایک رکن ہے ۔شفاف اور غیر امتیازی انتظام کو یقینی بنانے کے لئے، تحفظ شدہ گروپ مذہبی اور لسانی اقلیتوں اور درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل پر مشتمل ہیں ۔

۲۰۰۹ میں ۵۰ دلت تنظیموں نے مجموعی طور پر ۲۰ سالہ قدیم درج فہرست ذات اور درج فہرست قبائل (انسداد مظالم) قانون ۱۹۸۹ کی کارکردگی پر نظر ثانی کی تھی ۔اس نظر ثانی کے دوران یہ شناخت کیا گیا کہ اس کے اندر قانون کے نفاذ میں ناکامی کے لئے ذمہ دار بیشتر وجوہات میں سے ایک سرکاری ملازمین

کی جواب دہی کو پابند کرنے کے کسی پروویژنس کی غیر موجودگی تھی۔ اسے اس حقیقت سے جوڑا گیا کہ ذات پات کے نظام میں درج فہرست ذاتیں اور درج فہرست قبائل سب سے زیادہ محروم اقلیت کی نمائندگی کرتی ہیں، مجوزہ قانون میں تحفظ شدہ گروپ میں ان کی شمولیت کے لئے معقول پسندانہ تھا۔

مظالم ایکٹ کے علاوہ ہم گھریلو تشدد قانون ۲۰۰۵ سے خواتین کے تحفظ میں مقام رکھتے ہیں جو کہ سماجی حقیقت اور تجربہ کے لئے ایک خصوصی قانون ساز جواب تھا۔ جب تک یہ قانون وضع تھا، ضابطہ فوجداری کا ترمیم شدہ سیکشن ۴۹۸اے مجرمانہ قانون کا سیکشن تھا جو اس وقت مدد کرتا ہے جب خواتین کے خلاف گھریلو تشدد ہوتا ہے۔ اس ترمیم کے ذریعہ خواتین کے تفویض اختیارات کے لئے مخالفت کرنے والوں میں سے بیشتر نے اس بنیاد پر سیکشن ۴۹۸اے پر نظر ثانی کے لئے طویل بحث کی تھی کہ چند معاملات میں اس کا غلط استعمال کیا گیا۔ خوش قسمتی سے آج حقائق زمین پر آگئے۔

جیٹلی کے ذریعہ بی جے پی نے فرقہ وارانہ تشدد کو نشانہ بناتے ہوئے صرف ''نظم و نسق'' کے مسئلہ کے طور پر دیکھا ہے حالانکہ یہ آسانی سے ان نازک عنصر کو لاتعلق کرتا ہے جو پہلی مثال میں فرقہ وارانہ تشدد ہونے، دوسرے میں تیز ہوتے اور تیسرے میں انصاف فراہمی میں ناکام ہونے کی اجازت دیتا ہے۔ وہ مساوی طور پر سخت ہیں کہ مجوزہ قانون سفارش کرتا ہے کہ نمائندہ نظام کے مفاد میں قومی اتھارٹی کے سات اراکین میں سے چار کا تعلق اقلیتی فرقوں سے ہونا چاہیے۔

مذکورہ بالا درج شدہ نازک ترکیبی جز۔ انتظامی اور پولس تعصب۔ نہایت خوش دلی سے جیٹلی کی سخت دلیلوں میں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ ان کی پارٹی اکثریت پرست ہجوم کے جنون کی لہر اور ۱۹۹۲ میں فیض آباد۔ ایودھیا میں اور ۲۰۰۲ میں گجرات میں بی جے پی لیڈران (ایک سابق نائب وزیر اعظم) کے ذریعہ کئے گئے جرائم کی بنا پر اقتدار میں آئی۔ صرف دی گئیں دو مثالیں ان افراد کی سزا سے بریت کی عکاسی کرتی ہیں جنہیں یہ اچھی طرح علم تھا کہ ادارہ جاتی سستی و کاہلی اور اکثریتی تعصب انہیں مقدمہ اور سزا سے فرار حاصل کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔

مزید دانشورانہ سطح پر سماجی سیاسی مبصر آشوتوش وارشنیئے کے ذریعہ پیش کی گئیں دلیلیں، تین دہائی قدیم جمی ہوئی حقیقت کی شکل میں بھی ظاہر ہوتی ہیں۔ ۱۹۶۰ اور ۱۹۷۰ میں جب بھیونڈی، احمد آباد، علی

گڑھ وغیرہ جیسے فرقہ وارانہ طور پر حساس شہروں میں عام طور پر غیر متوقع فرقہ وارانہ تشدد پھوٹ پڑا۔ وارشنیئے ایک مفروضہ استعمال کرتے ہیں۔ فرقہ وارانہ تشدد اور سنگین ہجوم کا جنون آج دیہی ہندوستان سے لے کر ان قصبوں اور شہروں تک پھیل رہا ہے جو ابھی تک اس لعنت سے آزاد تھے۔ اس کی بڑی وجہ اکثریت پرست فرقہ پرستی کی تیزی سے پھیلی ہوئی وبا ہے، جس نے ''سیکولر'' کانگریس یا بایاں محاذ کی نظریاتی یورش سے لڑنے کی اخلاقی ناکامی کے ساتھ ساتھ بی جے پی کو اقتدار سے ہمکنار کر دیا۔ اکثریت، سفاک اور دیدہ دلیر کے ذریعہ یہ ناجائز قبضہ ہمارے نظام، انتظامیہ اور پولیس کے نظام میں داخل ہو گیا ہے۔ جبکہ مجوزہ فرقہ وارانہ اور ہدف بنائے گئے تشدد کا بل کسی بھی طریقے سے غیر معقولیت پسندی اور تعصب سے لڑنے کے لئے نہ تو روکتا ہے اور نہ ہی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ یہ یقینی طور پر ان سرکاری ملازمین کی جواب دہی پر نظر رکھتا ہے جو ہندوستانی آئین کے آرٹیکل ۱۴ اور ۲۱ کی عمل آوری کے ذریعہ بے قصور متاثرین کی زندگیوں اور آزادیوں کے تحفظ میں ناکام ہوتے ہیں جنہیں عام طور پر محض اس لئے نشانہ بنایا جاتا ہے کیونکہ ان کا تعلق ایک اقلیتی گروپ سے ہے۔

یہ ایک مثبت قدم ہے کہ جو لوگ انصاف اور درستگی سے متعلق ہیں وہ شفاف مباحثہ کی بحالی کے لئے مہم سے منسلک ہو رہے ہیں۔ اس وقت مجوزہ قانون ہسٹریائی پروپگنڈے کا شکار ہو گیا ہے۔ جس کی قیادت۔ غیر حیرت انگیز طور پر ان کھلاڑیوں کے ہاتھ میں ہے جن کی سیاسی حرکت نے غیر معقولیت پسندی، تعصب اور یہاں تک کہ نفرت کو جائز قرار دے کر حرکت زور سے فائدہ اٹھایا ہے، جنہوں نے فرقہ وارانہ ہجوم کے جنون کے کاندھوں کے بل بوتے پر اقتدار حاصل کیا ہے۔

ایک طویل زائد از میعاد پر ایک معقول پسند اعلان کو عمل میں لاتے ہوئے، فرقہ وارانہ اور ہدف بنائے گئے تشدد کا بل پارلیامنٹ میں ضرور رکھا جانا چاہیے اور اس کے بعد اسٹینڈنگ کمیٹی کے سامنے رکھا جانا چاہیے۔ اس میں کسی بے قاعدگی کو اس حالت پر ہٹایا جاسکتا ہے۔ ہمیں اس عمل کو انہیں خشک مزاج کھلاڑیوں کے ذریعہ پٹری سے اتارنے کی اجازت ہرگز نہیں دینی چاہئے جنہوں نے منافرت پھیلانے اور ہجوم کے جنون کو پیدا کر کے سیاسی مخفی نکات اور مسافت سے فائدہ اٹھایا ہے۔